سُنَنِ الٰہیہ اور تکوینی قوانین: قرآنی آیات کی روشنی میں تعارفی مطالعہ

مطیع الرحمان*
مستفیض احمد علوی**

Abstract

The scientific knowledge has discovered that a set of laws govern the whole universe; ranging from a particle of sand to a galaxy of stars and planets. According to the scientists, the Nature has prescribed these laws, therefore, the laws are named as Laws of Nature. The premise has its own empirical evidence and verifiable experiments. According to the knowledge revealed to human through Prophets, the universe is governed by God Almighty; therefore He is the only Creator and Master of the nature and of its laws. The Holy Qur'an, being the last and latest revealed book has explained the whole universe as creation of Allah Almighty who governs it through His principles and rules. The laws governing the creation are Qwaneen e *Takween* and the laws governing human life and activity are named *Sunan Ilahiyah*. The following research paper, is an effort to discover different interpretations and the major distinctions of these two terms in the light of exegesis of the Qur'anic verses.

Keywords: Laws of Nature, The revealed knowledge, Qawaneen e Takween, Sunan e Ilahiyah

ابتدائیہ:

انسانی مشاہدے اور تجربے نے یہ حقیقت معلوم اور تسلیم کی ہے کہ پوری کائنات قوانین کے ایک عظیم الشان مربوط نظام کے تحت چل رہی ہے۔ ذرے سے لیکر کہکشاؤں تک، اسی قانون کی پاسداری نظر آتی ہے۔ یہ طبعی قوانین، سائنس دانوں کے ہاں، قوانینِ فطرت(The laws of Nature) کہلاتے ہیں۔ طبعی علوم (Physical Sciences) کے دائرہ کار میں چونکہ کائنات کے مادی وجود کا مطالعہ شامل ہے، اس لئے سائنس(Science)نے، کائنات کی تشریح واقعاتی طبعی شہادتوں(Empirical Evidences)کی بنیاد پر کی ہے۔

---

*پی ایچ ڈی سکالر، گفٹ یونیورسٹی، گوجرانوالہ۔
**ڈائریکٹر، فیکلٹی آف آرٹس اینڈ سوشل سائنسز، گفٹ یونیورسٹی، گوجرانوالہ۔

جس کا بنیادی مقدمہ یہ ہے کہ انتظام کائنات بنیادی اور اٹل قوانین کے تحت جاری و ساری ہے۔ کائنات کی تخلیق، ارتقاء اور اس منظم و مربوط نظام کی ہم آہنگی اور عظیم توازن پر غور و فکر کرتے ہوئے، سائنس دان اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کچھ فطری طاقتیں (Natural Forces) ، اپنے ضابطوں کے تحت اس نظام کو منظم اور مربوط کیے ہوئے ہیں۔

اس تصور کی دریافت کرنے میں نمایاں ترین نام، برطانوی سائنسدان اسحاق نیوٹن[1]

(Isaac Newton:1643 – 1727) کا تھا جب کہ آج کے دور میں کائناتی سائنس کے سب سے موثر محقق اسٹیفن ہاکنگ[2] (Stephen Hawking: 1942 – 2018) نے بھی انہی قوانینِ فطرت کو کائنات کی اصل قرار دیا ہے۔[3]

قرآن میں قوانین قدرت کا بیان:

قرآن حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کی تخلیق اور اور اس کے انتظام و انصرام کا معاملہ جن اصولوں اور طریقوں پر جاری و ساری ہے، اس سب کا تعلق خالق کائنات کی مشیت اور قدرت کے ساتھ ہے۔ اللہ رب العالمین کی طرف سے تخلیق، ارتقاء، استحکام اور زوال کا سارا سلسلہ قائم و دائم ہے، جب تک اس وحدہ لاشریک کی مشیت اور قدرت اس کو اس کی تقدیر و ترتیب کا کوئی دیگر فیصلہ صادر نہ فرمادے، یہ اسی طرح جاری و ساری رہے گا۔ مفسرین قرآن نے قرآن حکیم کی آیات سے ، اخذو اکتساب کرتے ہوئے تکوینی قوانین کا توضیحی مطالعہ کیا ہے۔

آیات قرآنی کے مطالعہ اور تفہیم کی روشنی میں یہ حقیقت بھی علمائے تفسیر نے واضح کی ہے کہ ، اس کائنات کے ایک اہم حصے یعنی زمینی دنیا پر موجود، حیاتِ انسانی کو بھی الٰہی قوانین مشیئت و قدرت کے تحت منظم کیا

---

[1] نیوٹن ایک انگریز ریاضی دان، ماہر فلکیات، الٰہیات دان، اور طبیعیات کے ماہر تھے۔ کششِ ثقل اور قوانین حرکت کی دریافت کا سہرا ان ہی کا کارنامہ ہے۔
The Principia, in Latin "Mathematical Principles of Natural Philosophy" published in 1687.

[2] بیسویں صدی کا معروف ماہر طبیعیات اور جدید نظریاتی کونیات کا اہم ترین نام ، جسے آئن سٹائن کے بعد طبیعات کا دوسرا بڑا سائنس دان قرار دیا گیا ہے۔

[3] Stephen Hawking ,*The Grand Design*,(UK: Bantam Dell, 1988), 109.

گیا ہے، جن کے تحت انسانی زندگی، تعمیر وارتقاء سے لے کر انجام وزوال تک، ہر معاملے اور ہر مرحلے میں، کاربند رہتی ہے۔ایسے اصول وطریق قرآن حکیم کی اصطلاح میں سنن الٰہیہ (Divine Laws) کہلاتے ہیں۔ قرآن حکیم کے مرکزی موضوعات میں ایک مضمون ان قوانین کا توضیحی بیان بھی ہے، لہٰذا، کلام الٰہی کی اکثر سورتوں میں اللہ کی یہ سنن بیان ہوئی ہیں۔اس بیان کا مقصد اولیں بھی کتاب الٰہی سے واضح یہ ہے کہ انسان غور وفکر کے ذریعے کائنات کے اسرار ورموز جان کر ان قوانین الٰہی سے باخبر ہو اور اپنے منصب کے مطابق اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لائے، جیسا کہ فرمایا گیا ہے:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَاخْتِلاَفِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنزَلَ اللّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاء فَأَحْيَا بِهِ الأرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَآبَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخِّرِ بَيْنَ السَّمَاء وَالأَرْضِ لآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ[4]

”آسمان اور زمین کی پیدائش ،رات دن کا ہیر پھیر ،کشتیوں کا لوگوں کو نفع دینے والی چیزوں کو لیے ہوئے سمندروں میں چلنا، آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو زندہ کرنا،اس میں ہر قسم کے جانوروں کو پھیلا دینا ،ہواؤں کے رخ بدلنا اور بادل جو آسمان اور زمین کے درمیان مسخر ہیں،ان میں عقل مندوں کے لئے قدرتِ الٰہی کی نشانیاں ہیں۔“

ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے:

اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ[5] (کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کر رکھا ہے وہ اس پر (بھی) قادر ہے کہ ایسوں کو (پھر) پیدا کر دے۔)

گویا واضح ہوا کہ وہ نہ صرف اس کائنات کا خالق ہے بلکہ مالک بھی ہے۔یہ کل کائنات اسی کی ملکیت ہے اور اس میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے،اور اسی کے قوانین وضوابط کا پابند ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ[6]

”بڑا عالی شان ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں (ساری) حکومت ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔“

وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ ظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ[7]

---

[4] البقرۃ:۱۶۴

[5] الاسراء:۹۹

[6] الملک:۱

”اللہ ہی کے لئے زمین اور آسمان کی سب مخلوق خوشی ناخوشی سے سجدہ کرتی ہے اور ان کے سائے بھی صبح وشام۔“

یہ بھی حقیقت ہے کہ پوری کائنات اس کے حکم کی تابع فرمان ہے اور اس کے احکام کی سرِ مو انحراف نہیں کرتی بلکہ ان کا خدا سے تعلق نہایت تعبدانہ ہے:

وَ الشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَاؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِؕوَ الْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ۠ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَا اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَ لَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِؕوَ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ[8]

”اور سورج کے لیے جو مقرر رہ ہے وہ اسی پر چلتا رہتا ہے یہ ہے اندازہ غالب باعلم اللہ تعالیٰ کا۔ اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کر رکھی ہیں یہاں تک کہ وہ لوٹ کر پرانی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے۔ نہ آفتاب کی یہ مجال ہے کہ چاند کو پکڑے اور نہ رات دن پر آگے بڑھ جانے والی ہے اور سب کے سب آسمان میں تیرتے پھرتے ہیں۔“

نہ صرف یہ کہ زمین و آسمان اس کے قوانین پر مکمل طور پر کاربند اور فرماں بردار ہیں اور خدا کی اطاعت میں بخوشی سرگرمِ عمل ہیں بلکہ ہر وقت خدا کی حمد و ثناء اور اس کی تسبیح و تحمید اور تقدیس و تمجید کے نغمے گاتے ہیں:

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ[9]

”اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے جو چیز بھی آسمانوں میں ہے اور جو چیز بھی زمین میں ہے اور وہی زبردست ہے، حکمت والا ہے۔“

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِيْحَهٗؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ[10]

”کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں اور پرندے بھی جو پر پھیلائے ہوئے ہیں۔ ہر ایک کو معلوم ہے اپنی اپنی دعا اور تسبیح۔ اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ یہ لوگ کرتے رہتے ہیں۔“

---

[7] الرعد: ۱۳

[8] یٰسین: ۳۸۔۴۰

[9] الجمعہ: ۱

[10] النور: ۴۱

گویا قرآن مجید اس پوری کائنات کو "مسلم" قرار دیتا ہے کہ وہ خدا کے ان قوانین و احکام کی فرماں برداری میں سرِ تسلیم خم کیے ہوئے ہیں۔

چنانچہ امام راغب اِصفہانی (۸۹۷-۱۱۰۹ء) کی نظر میں سنت اللہ در اصل اللہ کی حکمت اور اطاعت کا طریقہ اور علامہ ابن منظور افریقی(۱۲۳۳ء-۱۳۱۱ء) کے نزدیک سنت اللہ وہ احکام اور اوامر و نواہی ہیں۔[11]

انسان عقل و شعور کی نعمتوں سے فیضیاب مخلوق ہے جسے متوجہ کیا گیا ہے کہ کائنات سے جو سبق واضح طور پر مترشح ہے اس کے آگے سر تسلیم کرنا، خود انسان کے لیے مفید ہے، جو اسے رفعت و عروج کی ضمانت مہیا کر سکتا ہے۔

چنانچہ سورۃ الروم میں ارشاد ہوتا ہے:

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ[12]

"(پس اے نبی) یک سو ہو کر اپنا رخ اس دین کی سمت میں جما دو، قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بنائی ہوئی ساخت تبدیل نہیں ہو سکتی۔"

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَ لَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ[13]

"کیا وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے سوا اور دین کی تلاش میں ہیں؟ حالانکہ تمام آسمانوں والے اور سب زمین والے اللہ تعالیٰ ہی کے فرماں بردار ہیں خوشی سے ہوں یا ناخوشی سے۔"

قرآن حکیم نے یہ بھی اعلان فرمایا ہے کہ اللہ کے قوانین غیر متبدل اور غیر متغیر ہیں۔ زمین سے لے کر آسمان تک اور آدم سے لے کر آخری انسان تک یہی قوانین رہیں گے اور ان کے نتائج بھی وہی رہیں گے جو روزِ اول سے جاری ہیں۔ کسی فرد، قوم، ملک و ملت یا کسی خاص خطے کے افراد یا کسی بھی مذہب کے کے ماننے والوں کے لئے اس میں استثنیٰ نہیں ہے۔

---

[11] الراغب اصفہانی، حسین بن محمد بن مفضل، **مفردات القرآن**، (دمشق: دار العلم، ۱۹۹۲ء)، ۲۴۴-۲۴۵

ابن منظور، محمد بن مکرم الافریقی، **لسان العرب**، (بیروت: دار الصادر، ۱۹۹۰ء)، ۱۳: ۲۲۵

[12] الروم: ۳۰

[13] آل عمران: ۸۳

ارشادِ الٰہی ہے:

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللہِ تَبْدِیلاً وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللہِ تَحْوِیلاً[14]

"سو آپ اللہ کے دستور کو کبھی بدلتا ہوا نہ پائیں گے اور آپ اللہ کے دستور کو کبھی منتقل ہوتا ہوا نہ پائیں گے۔"

سنن الٰہیہ کی اصطلاح کا اطلاق:

لفظ سنت یا اس سے مشتق الفاظ قرآن مجید کی گیارہ (۱۱) آیات میں سولہ (۱۶) مرتبہ وارد ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت آٹھ مرتبہ آئی ہے، جس میں سے سات مرتبہ "سنۃ اللہ" کی اضافت بیان ہوئی ہے۔ جس سے مراد براہِ راست اللہ کی سنت اور قوانین ہیں جو اس نے افراد و اقوام اور انبیاء سے متعلق مقرر کر رکھے ہیں[15]۔ ایک مقام پر سنت سے مراد انبیاء و رسل کے بارے میں اللہ کی مقرر کردہ سنت ہے۔ [16] قرآنی آیات میں چار مرتبہ مستعمل "سنۃ الاولین" کی ترکیب سے مراد اگلی قوموں اور امتوں کا اپنے انبیاء اور ان کی لائی ہوئی ہدایت کے بارے میں رویہ اور وطیرہ ہے[17]، جب کہ اسی مفہوم میں، لفظ سنت جمع کے صیغے یعنی "سنن" کے ساتھ دو دفعہ قرآن مجید میں وارد ہوا ہے۔[18]

علمائے متقدمین و متاخرین نے قرآن حکیم میں بیان شدہ اس مضمون کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اللہ کی سنتوں یعنی "سنن الٰہیہ" سے مراد وہ مخصوص قوانین و اصول ہیں جن کے تحت خدا تعالیٰ تمام اقوام و ملل اور افرادِ معاشرہ سے معاملہ کرتا ہے۔

---

[14] فاطر : ۴۳

[15] الاحزاب :۳۸، الاحزاب:۶۲، الفتح :۲۳، فاطر:۴۳، المومن: ۸۵

[16] الاسراء :۷۷

[17] الانفال:۳۸، الحجر :۱۲۔۱۳، الکہف :۲۴، فاطر :۶۳

[18] النساء:۲۶، آل عمران:۱۳۷

تفسیر قرآن میں متقدم علامہ ابن جریر طبری (۸۳۹ء-۹۲۳ء) فرماتے ہیں:

السنۃ:مثلاتسیر بھا فیھم و فیمن کذبو ا بہ من انبیا ئھم الذین أرسلوا الیھم ،باِمھالی اھل التکذیب بھم واستدراجی ایاھم حتی بلغ الکتا ب فیھم اجلہ الذی اجلتہ لادالۃانبیائھم و اھل الایمان بھم علیھم ، ثم احللت بھم عقو بتی ونزلت بساحتھم نقمتی فترکتھم لمن بعد ھم امثالا و عبرا ۔[19]

"سنت وہ مثالیں ہیں جو اللہ نے انبیاء کو جھٹلانے والوں میں جاری کیں۔اہل تکذیب کو مہلت دے کر، یہاں تک کہ وہ اپنی اس مدت کو پہنچ گئے جو ہم نے ان کے لیے مقرر کی تھی۔انبیاء اور اہل ایمان کے ذریعے ان پر حجت قائم کرنے کے بعد۔پھر میں نے ان پر اپنی سزا نازل کر دی، ان پر اپنا انتقام اتارااور ان کو بعد والوں کے لئے مثالیں اور عبرت کا نشان بنا دیا۔"

علامہ زمخشری (۱۰۷۸ء- ۱۱۴۴ء) ، امام قرطبی (۱۲۱۴ء-۱۲۷۴ء) اور امام الشوکانی (۱۷۵۹ء-۱۸۳۹ء) کے مطابق سنت وہ واقعات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے جھٹلانے والی امتوں میں جاری کیے۔[20]

علامہ ابن تیمیہ (۱۲۶۳ء-۱۳۲۸ء) فرماتے ہیں کہ تاریخِ انسانی میں مختلف تہذیبوں اور معاشروں کے ساتھ خدا کے وہ معمولات جو نظائر کی شکل میں ہمارے سامنے آتے ہیں اور ان نظائر کی روشنی میں ہم کسی بھی موجود انسانی معاشرے کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا کیونکہ اس کی نظیر ہمارے سامنے تاریخ میں موجود ہوتی ہے۔چنانچہ فرماتے ہیں:

ھی العادۃ التی تتضمن ان یفعل فی الثانی کما فعل نظیرۃ الاول۔[21]

"ایسا معمول جو اس بات پر متضمن ہو کہ جو پہلے کے ساتھ ہوا اس کی نظیر اور اس کی ملتی جلتی صورت کے ساتھ بھی وہی ہو گا۔"

مفسر و مؤرخ امام حافظ ابن کثیر (۱۳۰۰ء-۱۳۷۳ء) فرماتے ہیں:ھذہ سنۃاللہ و عا دتہ فی خلقہ۔[22] "اس سے مراد مخلوق میں اللہ کی سنت اور معمول ہے۔"

---

[19] طبری، ابن جریر طبری، **جامع البیان فی تاویل القرآن**، (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، ۲۰۰۰ ء)، ۴: ۹۹

[20] زمخشری، ابوالقاسم محمود بن عمر، **الکشاف**، (دار لکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۶ھ)، ۱: ۴۱۷

قرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر، **الجامع لاحکام القرآن**، (بیروت: دار الفکر، ۱۹۹۳ء)، ۴: ۲۱۶

الشوکانی، محمد بن علی، **فتح القدیر**، (بیروت: دار الفکر، ۱۹۹۴ء)، ۱: ۶۷۸

[21] ابن تیمیہ، **مجموع الفتاویٰ**، (وزارۃ الشئون الاسلامیہ والاوقاف والدعوۃ والارشاد، ۲۰۰۴ء)، ۳: ۲۰

علامہ محمود آلوسی (۱۸۰۲ء-۱۸۵۴ء) لکھتے ہیں: والمراد عادة الله فیھم۔[23] "اس سے مراد ان (لوگوں میں) اللہ کا معمول ہے۔) علامہ رشید رضا اپنی تفسیر 'المنار' میں فرماتے ہیں کہ یہ خدائے بزرگ وبرتر کا ایک نظام ہے جو اقوام و ملل اور افراد وامم کے لیے وضع کیا گیا ہے اور اسی کے مطابق ان سے معاملات کیے جاتے ہیں اور اس نظام میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔[24]

اسی تطابق میں ڈاکٹر عبد الکریم زیدان (۱۹۱۷ء-۲۰۱۴ء) نے سنت اللہ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

ھی الطریقۃ المتبعۃ فی معاملۃ اللہ تعالیٰ للبشر بناء علی سلوکھم و افعالھم و موقفھم من شر ع اللہ و انبیا ئہ وما یترتب علی ذلک من نتا ئج فی الدینا و الاخرۃ۔[25]

"سنت سے مراد وہ طریقہ ہے جو انسانیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے معاملے کے متعلق جاری ہے، انسانوں کے طور طریق، کردار اور ان کے رویوں کی بنیاد پر اللہ کی شریعت، اس کے پیغمبروں کے ساتھ نیز دنیا اور آخرت میں جو اس پر نتائج مرتب ہوتے ہیں۔"

الغرض، علما کی طرف سے بیان کی گئی ان تعریفات سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید سے ماخوذ اور مستنبط مفہوم کے مطابق سنن الٰہیہ کی اصطلاح کا اطلاق، انسانوں سے متعلق اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ قواعد وضوابط پر ہوتا ہے، جن کے مطابق کاروبار حیات انسانی جاری وساری رہتا ہے۔

تکوینی قوانین اور سنن الٰہیہ میں فرق وامتیاز:

اللہ تعالیٰ کی سنن میں سے ایک حصہ ان قوانین کا ہے جو پوری کائنات کی تخلیق اور اس کے خواص کی نشاندہی کرتا ہے، جنہیں سنن کونیہ یا سننِ طبیعہ (قوانین فطرت) کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ قوانین قدرت، پوری کائنات کی تخلیق، ارتقاء اور اس کے آغاز واختتام سے متعلق ضابطوں کو محیط ہیں۔

چنانچہ محمد احمد الغمراوی (۱۸۹۳-۱۹۷۱ء)، تکوینی ضابطوں سے متعلق لکھتے ہیں کہ:

ھی النظم التی فطر اللہ علیھاالخلق،فکل مااشتملت علیہ ھذہ النظم و کل ما اتصل بطبائع الاشیا ء و خصائصھا و علاقات بعضھا ببعض داخل فی علم سنن اللہ الکونیۃ ،فھذا العلم ھو علم الفطرۃ [26]

---

[22] ابن کثیر، ابو الفدا اسماعیل القرشی الدمشقی، **تفسیر القرآن العظیم**، (کوئٹہ: مکتبہ رشدیہ، س،ن)، ۵: ۶۲۳

[23] آلوسی، شہاب الدین محمود البغدادی، **روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی**، (بیروت: دار الفکر، ۱۹۸۳ء)، ۱۴: ۱۹

[24] رشید رضا، محمد رشید رضا، **تفسیر المنار**، (بیروت: دار المعرفۃ، س،ن)، ۴: ۱۳۹

[25] زیدان، عبد الکریم، **السنن الالھیہ فی الامم والجماعات والافراد فی الشریعۃ الاسلامیۃ**، (بیروت: موسسہ الرسالۃ، ۱۹۹۳ء)، ۱۳

"یہ وہ نظم ہے جس کے تحت اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا فرمایا ہے، پس جو کچھ اس نظم میں شامل ہے یعنی اشیاء کے طبائع، خصوصیات اور ایک دوسرے کے ساتھ تعلق، ان سنن کونیہ میں شامل ہے، یہی علم، فطرت کا علم کہلاتا ہے۔"

شریف الشیخ حسن بن صالح الخطیب کہتے ہیں:

ویمکن تعریف السنۃ الکونیہ بانھا:منھج اللہ فی تسیر ھذا الکون و عمار تہ و حکمہ[27]

(سنت کونیہ کی یہ تعریف کی جاسکتی ہے کہ یہ اس کائنات کو چلانے، آباد کرنے اور انتظام کرنے میں اللہ کے منہج کا نام ہے۔)

گویا اس پوری کائنات کے انتظام و انصرام کو چلانے اور اس کے مادی وجود کی جملہ حرکات و سکنات کو منظم انداز میں جاری رکھنے والے قوانین، تکوینی قوانین یا قوانینِ فطرت (Laws of Nature) کہلاتے ہیں۔ غور و فکر کرنے والے انسان کے لیے کائنات کا مشاہدہ اور مطالعہ واضح کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق کو گوناگوں صفات و خصوصیات سے نواز کر ایک دوسرے پر فضیلت بخشی اور انہیں ان کی تخلیقی اور جبلی اعتبار سے فرائض اور ذمہ داریاں تفویض فرمائیں۔ اس سلسلہ میں انسان اور دیگر مخلوق کا معاملہ، واضح طور پر الگ الگ دائرے رکھتا ہے۔ اسی بنیاد پر، قرآنی آیات کے مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ انسان اور دیگر مخلوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے قوانین میں فرق و امتیاز قائم ہے۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہ، انسانی زندگی سے متعلق قوانین یعنی سنن الٰہیہ کو تکوینی قوانین سے ممتاز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهذه السنن كلها سنن تتعلق بدينه، وأمره ونهيه ، ووعده ووعيده، وليست هي السنن المتعلقة بأمور الطبيعة،كسنته في الشمس والقمر والكواكب وغير ذلك من العادات[28]

"یہ وہ تمام سنن ہیں جن کا تعلق اس کے دین، اس کے اوامر و نواہی، اس کے وعدہ و وعید سے ہے اور یہ وہ سنن نہیں ہیں جو طبعی امور جیسے کہ سورج، چاند اور دیگر اجرامِ فلکی میں جاری و ساری ہیں۔"

---

[26] الغمراوی، محمد احمد، **فی سنن اللہ الکونیہ**، (المکتبہ العلمیہ، ۱۹۳۶ ء)، ۱

[27] الخطیب، شریف الشیخ حسن بن صالح، **السنن الٰہیہ فی الحیاۃ الانسانیۃ**، (عمان: دار العثمانیہ، ۲۰۰۴ء)، ۱: ۷۶

[28] ابن تیمیہ، ابو عباس احمد بن عبد الحلیم ، **جامع الرسائل**، المجموعۃ الاولی ، تحقیق : د. محمد رشاد سالم، (القاهرة : مطبعة المدني ، ۱۹۸۴ء)، ۵۲

گویا امام موصوف نے انسان سے متعلق الٰہی ضابطوں کو سننِ دینیہ اور باقی کائنات سے متعلق قوانین کو سننِ طبیعہ کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔جب کہ ڈاکٹر عبد الکریم زیدان، ان دونوں قسم کے قوانین کو دو دیگر اصطلاحات سے موسوم کرتے ہیں، مگر ان کے ہاں بھی، اپنے مفہوم کے اعتبار سے سنن کی دو صورتیں ہی نظام دنیا و مافیہا میں کارگر نظر آتی ہیں، اور دونوں میں گونا فرق ہے؛ ایک کائنات کے مادی واقعات ہیں یعنی الأحداث الكونية المادية ،اور دوسرے انسانی معاشرت سے متعلق قوانین یعنی الأحداث الاجتماعية ان کے مطابق:

وكل الفرق بين الأحداث الكونية المادية وبين الأحداث الاجتماعية هو أن أسباب الأولى واضحة بينة مضبوطة ، إذا عرفناها أمكننا الحكم بدقة على نتائجها وميقات هذه النتائج ، فالماء مثلا ينجمد إذا بلغت درجة برودته كذا درجة ، ويصل إلى الغليان إذا وصلت درجة حرارته إلى كذا درجة وبعد كذا من الوقت،---

"کائنات کے مادی واقعات اور معاشرتی واقعات میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ پہلے کے اسباب واضح روشن اور منضبط ہیں۔جب ہم ان کو جان لیں تو ہمارے لئے تفصیل کے ساتھ ان نتائج پر حکم لگانا اوران نتائج کا وقت مقرر کرنا ممکن ہوتا ہے۔ مثلاً درجہ حرارت اس نقطہ تک پہنچ جائے تو پانی جم جاتا ہے اور جب اس حد کو پہنچ جائے تو ابلنے لگتا ہے۔"

جب کہ انسانی سماج کا معاملہ دوسرا ہے:

وهكذا.أما أسباب الأحداث الاجتماعية فهي بمختلف أنواعها من سياسية واقتصادية وحضارية وعمرانية وغلبة ونصر وهزيمة وخذلان..إلخ.، أسباب دقيقة وكثيرة ومتشعبة ومتشابكة ، وقد يعسر على الكثيرين الإحاطة بها تفصيلا [29]

"معاشرتی واقعات اپنے اسباب اور اپنی مختلف سیاسی اقتصادی تمدنی یا تہذیبی، نصرت اور شکست وذلت وغیرہ جیسی انواع کی حیثیت سے مختلف ہوجاتے ہیں۔یہ اسباب بڑے گہرے، بہت زیادہ باہم ملے جلے اور منتشر ہیں۔ بہت سارے لوگوں کے لئے ان کا تفصلی احاطہ کرنا مشکل ہوسکتا ہے۔"

تکوینی قوانین کا تعلق کائنات کے مادی وجود اور اس کے اجزا سے ہے۔کائنات کے کسی عضو یا حصے کو اس بات کا اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ قوانین الٰہی سے روگردانی کرے۔ ہر ایک کو ہر صورت ان احکام کی پاسداری کرنی ہے۔ جس فطرت پہ انہیں پیدا کیا گیا ہے اور جن احکام کا انہیں پابند کیا گیا ہے، اسی کے مطابق وہ چلیں گے ذرہ بھر بھی انحراف کی گنجائش نہیں۔ قرآن مجید میں ان تکوینی قوانین کی کئی مثالیں ہیں، جیسے فرمایا گیا ہے کہ:

وَ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ [30]

---

[29] زیدان، عبد الکریم، **السنن الالھیہ فی الامم والجماعات والافراد فی الشریعۃ الاسلامیۃ**، (بیروت: موسسہ الرسالۃ، ۱۹۹۳ء)، ۲۴۔۲۵

"اور زمین آسمان کی ہر ہر چیز اسی کی ملکیت ہے اور ہر ایک اس کا فرماں بردار ہے۔"

ایک اور مقام پر آیا ہے:

وَ لَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ [31]

"اور اسی کا تابع فرمان ہے جو آسمانوں میں ہے یا زمین میں۔ خوشی سے ہوں یا ناخوشی سے۔ اسی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔"

مولانا ابوالکلام آزاد اس آیت کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ: اللہ کا دین اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اس کے ٹھہرائے ہوئے قوانینِ فطرت کی اطاعت ہے اور آسمان اور زمین میں جس قدر مخلوق ہے، سب قوانینِ الٰہی کی اطاعت کر رہی ہے۔[32] مولانا اصلاحی کے الفاظ میں: آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے سب اسی کی مخلوق، اسی کے مملوک اور اسی کے فرماں بردار ہیں تو کس کی مجال ہے کہ اس کے حکم سے سر تابی اور اس کی پکار سے سرِ مو انحراف کر سکے۔[33] پوری کائنات میں تمام اجرامِ فلکی جس میں زمین بھی شامل ہے، ایک خاص نظم کے تحت اپنے اپنے مقرر کردہ دوائر میں چکر لگا رہے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی اس نظم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔ یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام اجرام کو حکم دے رکھا ہے کہ اس تکوینی نظم کو برقرار رکھیں۔

قرآن حکیم کے مطابق انسان کا معاملہ بالکل دوسرا ہے۔ قرآن مجید کی بہت سی آیات اس حقیقت سے پردہ اٹھاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے آدم کو جو خاص فضیلت و عظمت اور عزت و شرف عطا فرمایا وہ کسی اور مخلوق کے حصے میں نہیں آیا[34]۔ کبھی تمام مخلوق پر اس کے علمی تفوق کو بیان کیا گیا[35]۔ کبھی خلیفۃ اللہ کا منصبِ جلیلہ عطا فرما کر اس کی شانیں بلند کی گئیں۔[36] کہیں اس کی تخلیقی ساخت کو بہترین قرار دیا گیا[37] اور کبھی مسجود

---

[30] الروم: ۲۶

[31] آلِ عمران: ۸۳

[32] آزاد، ابوالکلام، احمد، **ترجمان القرآن**، (دہلی: ساھتیہ اکادیمی، س، ن)، ا: ۳۷۰

[33] اصلاحی، امین احسن، **تدبرِ قرآن**، (لاہور: فاران فاونڈیشن، ۲۰۰۶ء)، ۶: ۸۸

[34] بنی اسرائیل: ۷۰

[35] البقرۃ: ۱۳؛ العلق: ۴۔۵

[36] ایضاً: ۲

[37] التین: ۹۵

ملائک بناکر رفعتوں کی بلندیوں تک لے جایا گیا۔[38] ساری کائنات کا نظام و انصرام انسان کی مدد کے لیے ہے۔ زمین و آسمان کی ساری چیزیں اسی کے تابع اور مسخر کرکے اس کی خدمت میں لگائی ہیں۔[39] انسان کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو خدا کی ان سنن پر عمل پیرا ہو کر سعادتِ دارین حاصل کرلے، چاہے تو ان قوانین سے سرکشی اور بغاوت کرکے شقاوت و بدبختی کو اپنا مقدر بنالے۔ اس کی جبلت و فطرت میں اچھے برے کو اختیار کرنے کا مادہ ودیعت کرکے، اسے صحیح اور غلط کی پہچان کرادی گئی ہے لیکن راہ عمل اختیار کرنے میں اسے پورا امختار بنادیا گیا ہے:

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا[40]

"ہم نے اسے راہ دکھائی اب خواہ وہ شکر گزار بنے خواہ ناشکرا۔"

دوسرے مقام پر قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ یوں آیا ہے:

وَ مَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ[41]

"شکر گزار اپنے ہی نفع کے لیے شکر گزاری کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا پروردگار بے پرواہ اور بزرگ ہے۔"

عبد الماجد دریابادی (۱۸۹۲ء-۱۹۷۲ء) انسان کے اس اختیار کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں: یعنی وہ اس بتائے ہوئے راستہ پر یا تو چلا یا نہ چلا، اگر چلا تو مومن و شکر گزار ٹھہرا، نہ چلا تو کافر اور ناشکرا نکلا۔ یہیں سے معلوم ہوا کہ اسباب و حالات اور قوتیں اللہ نے خلق فرمائیں اور اختیار و صرف ہمّت انسان کی رائے پر چھوڑا۔[42] اسی طرح، مولانا وحید الدین خاں (۱۹۲۵ء) لکھتے ہیں کہ:

حکم الٰہی کی یہی اطاعت انسان سے بھی مطلوب ہے، اس فرق کے ساتھ کہ بقیہ کائنات مجبورانہ طور رپر حکم خداوندی کی اطاعت کر رہی ہے اور انسان کی اسی حکم کی اطاعت اختیارانہ طور پر کرنا ہے۔ یعنی بقیہ کائنات کو اپنے عمل کے معاملے میں انتخاب (Choice) کا حق نہیں۔ جبکہ انسان کو اس دنیا میں انتخاب کی آزادی حاصل ہے۔ وہ

---

[38] البقرۃ: ۳۴

[39] لقمان: ۲۰؛ البقرۃ: ۲۹

[40] الدھر: ۳

[41] النمل: ۴۰

[42] دریابادی، عبد الماجد، **تفسیر ماجدی**، (لاہور: تاج کمپنی لمیٹڈ، ۱۹۵۲ء)، ۱۱۶۱

چاہے تو اطاعت کا طریقہ اختیار کر کے خدا کے ابدی انعام کا مستحق بنے، یا خدا کے حکم سے انحراف کر کے ابدی طور پر اس کا برا انجام بھگتے۔[43]

ڈاکٹر فصل الرحمان (۱۹۱۹-۱۹۸۸ء) نے اسی بات کو یوں بیان کیا ہے:

Since everything in the universe does behave in accordance with its ingrained laws automatically obeys the "command" of God, the whole universe is therefore Muslim, surrendering to the will of God. Man is the only exception to this universal law, for he is the only being endowed with a free choice of obeying or disobeying the command of God. Just as it is "written into" every other creature, this command is written upon man's heart. The only difference is that while every other creature follows its nature automatically, man ought to follow his nature; this transformation of the is into ought is both the unique privilege and the unique risk of man.[44]

"چونکہ کائنات میں ہر چیز ان قوانین کے مطابق عمل کرتی ہے جو اس کے اندر رکھ دیے گئے ہیں یعنی خود بخود خدا کے حکم کی تابعداری کرتی ہے اس لیے پوری کائنات ہی اس اعتبار سے "مسلم" ہے جو خدا کی مرضی کے سامنے سر جھکا دیتی ہے۔ اس عالم گیر قانون میں واحد استثناء انسان ہے، اس لئے کہ وہ واحد وجود ہے جسے یہ اختیار دیا گیا ہے کہ خدا کے حکم کی اطاعت کرے یا نافرمانی کرے ٹھیک اسی طرح جیسے یہ حکم ہر دوسری مخلوق کے اندر "لکھ دیا گیا ہے" اس طرح یہ حکم انسان کے دل پر لکھ دیا گیا ہے۔۔۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جہاں ہر دوسری مخلوق خود بخود اپنی فطرت کے مطابق چلتی ہے، انسان کو "چاہیے" کہ اپنی فطرت کے مطابق چلے، یہ جو "چلتی ہے" کا "چلنا چاہیے" میں بدل جانا ہے تو یہ انسان کا غیر معمولی حق بھی ہے اور اس کے لئے غیر معمولی طرہ بھی!"

غلام احمد پرویز (۱۹۰۳ء-۱۹۸۵ء) انسان کے اس اختیار و انتخاب کی توضیح یوں کرتے ہیں:

ہماری کائنات کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ عالم آفاق (یعنی انسانوں کے دنیا کے سوا باقی ساری کائنات) اور دوسرا حصہ، انسانی دنیا۔ اگر تم اس بنیادی فرق کو پیشِ نظر رکھو تو مسئلہ تقدیر کی بہت سی پیچیدگیاں خود بخود حل ہو جائیں گی۔ عالم آفاق میں خدا کا قانون از خود کار فرما ہے اور کسی کو اس سے سر تابی کی مجال نہیں (کل لہ قانتون) لیکن انسان کو صاحبِ ارادہ پیدا کیا گیا ہے۔ یہ اپنی مملکت میں آپ صاحبِ اختیار ہے، لیکن جس طرح عالم آفاق کی نشو

---

[43] خان، وحید الدین، **تعمیرِ انسانیت**، (انڈیا: گڈبک پرائیویٹ لمیٹڈ، ۱۹۹۹ء)، ۱۴، ۱۵

[44] Fazalurrehman, *Major Themes of The Quran*, (Chicago: University of Chicago), 16.

ونمار بوبیت ایک قانون کے تابع ہوتی ہے اسی طرح عالم انسانی کی نمو دو ارتقاء بھی ایک نظام کے ماتحت کار فرما ہوتی ہے۔عالم آفاق میں ہر شے کو اس قانون کی پابندی طوعاًو کرھاً کرنی پڑتی ہے،اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ "تقدیر" کے پابند ہیں یعنی ان اندازوں کے پابند جو ان کی نقل و حرکت اور نشو و نما کے لئے مقرر ہیں اور جن سے انہیں کسی صورت میں بھی مفر نہیں۔ اس کے بر عکس عالمِ انسانیت میں یہ قانون،ہدایت خداوندی کی شکل میں موجود رہتا ہے ،لیکن انسان کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اس پر عمل کرے یا نہ کرے۔ بالفاظ دیگر اشیائے کائنات تخلیقی قانون کی پابندی مجبوراً کرتی ہیں،جو ان کے اندر ودیعت کر کے رکھ دیا گیا ہے لیکن انسان، قانونِ خداوندی کی پابندی اپنے اختیار سے کرتا ہے جو اسے انبیاء کی وساطت سے ملتا ہے۔[45]

انسانی زندگی سے متعلق سنن الٰہیہ اور تکوینی قوانین قدرت کے مابین یہی اصولی فرق ،علامہ اقبال نے یوں بیان کیا ہے:

تقدیر کے پابند ہیں نباتات وجمادات:

مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند[46]

قرآن حکیم کی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ انسان سے متعلق سنن الٰہیہ میں انسان کو انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے مخاطب کیا گیا ہے۔یعنی فرد کے حوالے سے بھی اللہ کی سنن بیان ہوئی ہیں جبکہ اقوام وملل کے حوالے سے جاری وساری سنن الٰہیہ بھی واضح کی گئی ہیں۔ تاہم تکوینی قوانین میں پوری کائنات کو ایک ہی حیثیت سے ذمہ داری سونپی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں انسان کے لئے بطور فرد سنت اللہ کا ایک بیان یوں سامنے آتا ہے کہ:لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔[47] "اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں دیتا۔" یعنی فرد کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ کسی شخص کو اپنے احکام کے دائرے میں ایسے کسی عمل کا پابند نہیں کرتے جو اس کی طاقت سے باہر ہو۔ لہٰذا، دین اسلام میں حقوق اور فرائض کے نظام میں کوئی ایک بھی حکم ایسا نہیں ملے گا جو کسی فرد کے بس سے باہر ہو۔

---

[45] پرویز، غلام احمد، **سلیم کے نام** ,(لاہور: طلوع اسلام ٹرسٹ،۱۹۹۸ء)،۳: ۱۰۵

[46] اقبال، علامہ محمد اقبال، **کلیاتِ اقبال** اردو(ضربِ کلیم)،(لاہور: اقبال اکیڈمی پاکستان، ۱۹۹۰ء)، ۵۷۸

[47] البقرۃ: ۲۸۶

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۖ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ۔[48]

"اور کوئی بھی نیک عمل کرتا ہے اپنی ذات کے لئے کرتا ہے اور جو کوئی برائی کرتا ہے اس کا بھی وبال اسی پر رہتا ہے۔ پھر تم کو واپس اپنے پروردگار کی طرف جانا ہے۔"

گویا جزا کا مستحق صرف وہی ہو گا جو اس کا فاعل ہو گا۔ یہ ہر گز ممکن نہیں کہ "کرے کوئی اور بھرے کوئی" کی کوئی مثال اللہ کے اصولِ جزاو سزا میں دیکھی جاسکے۔ قرآن مجید نے اس بات کا دوٹوک الفاظ میں کئی مقامات پر اعلان کیاہے کہ ہر شخص اپنے اعمال ہی کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا اور اس پر کسی دوسرے کے اعمال کا بوجھ نہیں لادا جائے گا۔

اسی طرح انسان کی اقوام و امم کی صورت میں اجتماعی حیثیت سے متعلق اللہ کی سنن، قرآن حکیم میں اپنی حکمتوں سمیت سامنے آتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَما كُنّا مُهْلِكِي الْقُرى إِلاّ وَأَهْلُها ظالِمُون[49]

"اور ہم بستیوں کو اسی وقت ہلاک کرتے ہیں جب کہ وہاں والے ظلم و ستم پر کمر کس لیں۔"

یعنی انسانی معاشروں میں جب برائی اجتماعی شکل اختیار کر لیتی ہے اور ان معاشروں کے افراد کا وتیرہ ہی ظلم و ستم بن جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی انسانی اجتماع سے متعلق الگ سے موجود سنن حرکت میں آتی ہیں اور ان بستیوں کو سطح زمین سے محو کر دیا جاتا ہے اور وہ نسیاً منسیاً ہو جاتی ہیں۔ سورۃ نوح میں، حضرت نوح کا یہ بیان نقل ہوا ہے:

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًاۙ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًاۙ وَّ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا[50]

"چنانچہ میں نے کہا اپنے پروردگار سے مغفرت چاہو، بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ وہ تم پر کثرت سے بارش بھیجے گا، اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لئے باغ لگا دے گا، اور تمہارے لئے دریا بہادے گا۔"

[48] الجاثیہ: ۱۵

[49] القصص: ۲۸

[50] نوح: ۱۰۔۱۳

گویا اگر کوئی قوم سرکشی اور استکبار کی بجائے توبہ اور انابت کا راستہ اختیار کر لیتی ہے تو ایسی قوم کو نہ صرف زوال کی ذلت سے بچا لیا جاتا ہے بلکہ اسے اس کے اس منیبانہ رویہ کی بدولت مزید وسائل سے نوازا جاتا ہے اور ترقی و قوت کے نئے امکانات ان کے لئے پیدا کر دیئے جاتے ہیں۔

قرآن حکیم نے یہ بھی اعلان فرمایا ہے کہ سنن الٰہیہ غیر متبدل اور غیر متغیر ہیں۔ آدم سے لے کر آخری انسان تک یہی قوانین رہیں گے اور ان کے نتائج بھی وہی رہیں گے جو روزِ اول سے جاری ہیں۔ کسی فرد، قوم، ملک و ملت یا کسی خاص خطے کے افراد یا کسی بھی مذہب کے کے ماننے والوں کے لئے اس میں استثنٰی نہیں ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللهِ تَبْدِيلاً وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللهِ تَحْوِيلاً[51]

"سو آپ اللہ کے دستور کو کبھی بدلتا ہوا نہ پائیں گے اور آپ اللہ کے دستور کو کبھی منتقل ہوتا ہوا نہ پائیں گے۔"

امام شوکانی اس آیت کی توضیح ان الفاظ میں کرتے ہیں:

ای لا يقدر احد ان يبدل سنۃ الله التی سنها بالا مم المكذبۃ من انزال عذابہ بان يضع موضعہ غير ہ بدلا عنہ۔ بان يحول ماجرت بہ سنۃ الله من العذاب فيدفعہ عنهم و يضعہ على غيرهم ،ونفى وجدان التبديل والتحويل عبارۃ عن نفى وجودها[52]

"یعنی کوئی بھی اللہ کی سنت کو جو اس نے تکذیب کرنے والی امتوں پر عذاب نازل کرنے کی صورت میں مقرر کی ہے، اس کی جگہ سے ہٹا کر کسی دوسری جگہ نہیں رکھ سکتا۔ یعنی عذاب کے حوالے سے اللہ کی جو سنت جاری ہو چکی ہے اس کو اس قوم سے ہٹا کر دوسری قوم میں رکھ دے اور تبدیلی اور تحویل کے پائے جانے کی نفی ان دونوں کے وجود کی نفی سے عبارت ہے۔"

ایک دوسرے مقام پر قرآن فرماتا ہے:

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَؕ ‏-لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُؕ[53]

"وہ لوگ جو ایمان لائے اور (برائیوں سے) سے پرہیز رکھتے ہیں ان کے لئے دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوش خبری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی باتوں میں کچھ فرق ہوا نہیں کرتا، یہ بڑی کامیابی ہے۔"

---

[51] فاطر: ۴۳

[52] فتح القدیر، ۴: ۴۶۹

[53] یونس: ۶۳-۶۴

علامہ ابن جریر طبری اس کی تشریح یوں کرتے ہیں:

فان معنا ہ ان اللہ لا خُلف لوعدہ، ولا تغیر لقولہ عما قال ،ولکنہ یُمضی لخلقہ مواعیدہ و یُنجزھالھم۔[54]

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کے وعدے میں بد عہدی نہیں اور اس کے قول میں جو اس نے کہا کوئی تبدیلی نہیں۔ لیکن وہ اپنی مخلوق کے لئے اپنے وعدے جاری کرتا ہے اور انہیں پورا کرتا ہے۔"

اسی طرح معروف مصری مفکر سید قطب (۱۹۰۶ء-۱۹۶۶ء) لکھتے ہیں کہ:

سنۃ اللہ ثابتۃ لاتضطرب و لا تختلف و لا تحید عن الطریق[55]

"اللہ تعالیٰ کی یہ سنتِ ثابتہ ہے، جس میں نہ کوئی اضطراب، نہ کوئی اختلاف اور نہ ہی یہ (مقرر) رستے سے ہٹتی ہے۔"

مولانا امین احسن اصلاحی (۱۹۰۴ء-۱۹۹۷ء) سنت اللہ کی بابت یوں فرماتے ہیں:

سنت الٰہی نہ بدلتی ہے، نہ ٹلتی ہے۔ 'نہ بدلنے' کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ہر قوم کے لئے بالکل یکساں اور بے لاگ ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ جو رویہ ایک قوم کے لئے باعثِ ہلاکت ہو چکا ہے وہی رویہ دوسری قوم اختیار کرے تو وہ اس انجام سے بچ جائے۔ 'نہ ٹلنے' کا مفہوم یہ ہے کہ جب اس کے ظہور کا وقت آجائے گا تو وہ لازماً ظہور میں آکے رہے گی۔ پھر اس کو ٹالنا یا اس کے رخ کو بدلنا کسی کے بس میں نہیں ہو گا۔[56]

البتہ تکوینی قوانین کی تبدیلی میں، اللہ تعالیٰ اپنی منشا اور قدرت کا اظہار فرماتے ہیں جیسا کہ آیات و معجزات میں واضح ہوتا رہتا ہے۔ اسی طرح، مثلاً یہ حکمتِ کونیہ ہے کہ نر اور مادہ سے ہی ایک نیا جاندار وجود پذیر ہوتا ہے لیکن ان قوانین عادیہ سے ہٹ کر، حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش ہوئی ہے، قوم صالح کے لیے ایک پہاڑ سے اونٹنی برآمد ہوئی۔ حضرت موسیٰؑ کی لاٹھی کو ایک زندہ اور متحرک سانپ کا وجود دے کر فطرت تبدیل کی گئی۔ قرآن حکیم میں اس کا بیان، کئی مقامات پر آیا ہے، جیسا کہ، فرمایا گیا:

قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ۝فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ۝قَالَ خُذْهَا وَ لَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ۝[57]

---

[54] **جامع البیان**، ۴: ۲۲۴

[55] سید قطب، **فی ظلال القرآن**، (قاہرہ: دارالشروق، ۱۹۷۲ء)، ۳۱۰۲

[56] **تدبر قرآن**، ۶: ۳۹۳

[57] طہ: ۱۷۔۲۱

"(اللہ نے) فرمایا اسے ڈال دو اے موسیٰ، پس انہوں نے اسے ڈال دیا سو وہ ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گیا۔(اللہ نے) فرمایا اسے پکڑ لو اور ڈرو نہیں ہم اسے ابھی اس کی پہلی حالت پر کیے دیتے ہیں۔"

اسی طرح، آپؑ کی طرف سے اسی لاٹھی کو پتھر پر مارنے سے پانی کے بارہ چشمے جاری ہو گئے:

وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا[58]

"اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم کے لئے پانی کی دعا مانگی تو ہم نے کہا (اے موسیٰؑ) اپنا عصا (فلاں) پتھر پر مارو تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔"

تکوینی قانون میں تبدیلی سے ہی حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش بغیر باپ کے صرف ماں سے ہوئی، اور پھر عام اصول یہی ہے کہ جس نے موت کا ذائقہ چکھ لیا وہ اب دوبارہ قیامت میں ہی اٹھایا جائے گا لیکن حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھ سے اللہ کے حکم سے اس اصول کے بالکل الگ، مردے زندہ کیے گئے۔ لہٰذا، اس معجزے کا بیان قرآن مجید میں، حضرت موسیٰؑ کے الفاظ میں یوں آیا ہے:

اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِكُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ[59]

"میں تمہارے لئے مٹی سے پرندوں کی مانند صورت بنا دیتا ہوں پھر اس میں دم کر دیتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے اور مبروص کو اچھا کر دیتا ہوں اور میں اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتا ہوں اور تم جو کچھ کھاتے ہو اور جو کچھ اپنے گھروں میں ذخیرہ جمع کرتے ہو وہ تمہیں بتلا دیتا ہوں بے شک ان (سارے واقعات) میں تمہارے لئے ایک نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔"

قرآنی آیاتِ مبارکہ[60] کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ انسانی حیات سے متعلق سنن الٰہیہ اور کائنات سے متعلق تکوینی قوانین میں ایک نوع کا فرق ہے اور بھی ہے، اور وہ یہ کہ تکوینی قوانین کے مخاطبین چونکہ نافرمانی اور سرکشی کا اختیار نہیں رکھتے، اس لیے انہیں ان قوانین پر عمل پیرا ہونے پر، کسی قسم کے اجر کی نوید سنائی گئی ہے اور نہ ہی کسی قسم کی وعید و سزا بیان ہوئی ہے۔ انسانی ارادہ و اختیار کی بدولت اس کا معاملہ الگ

---

[58] البقرۃ: ۶۰

[59] آلِ عمران: ۴۹

[60] النساء: ۱۲۲؛ المائدۃ: ۸۶

ہے۔ اگر وہ قوانین الٰہیہ پر عمل پیرا ہو گا تو اس کے لیے اجرِ عظیم ہے اور بغاوت کا مرتکب ہو گا تو سزا کا حقدار ٹھہرے گا۔

علامہ جمال الدین افغانی (۱۸۳۸ء-۱۸۹۷ء) اس حقیقت کو یوں واضح کرتے ہیں:

و اما من آتاہ اللہ الحکمۃ ومنحہ الھدایۃ ،فیعلم ان الحکیم الخبیر ،جل شا نہ و عظمت قدرتہ۔اناط کل حادث بسبب و کل مکسوب بعمل ، انہ قد اختص الانسان من بین الکائنات بمو ھبۃ عقلیۃ و مقدر ۃ روحانیۃ ، یکون بھما مظھرا لعجائب الامور ،وبھذا المقدر ۃ و تلک الموھبۃ مناط التکالیف الشر عیۃ،و بھما استحقا ق المدح او الذم عند العقلاء، الثواب او العقا ب عند الواسع الکرم سریع الحسا ب[61]

"جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت اور ہدایت سے نوازا ہو وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ حکیم و خبیر نے ہر واقعہ کو سبب اور ہر نتیجہ کو عمل کے ساتھ مربوط کیا ہے۔ اس نے ساری کائنات میں سے انسان کو عقلی اور روحانی صلاحیتیں دے کر مختص کیا ہے جن کے ساتھ وہ تمام عجیب امور کا مظہر ہے۔ انہی دو صلاحیتوں اور قدرتوں پر تمام شرعی تکالیف موقوف ہیں اور انہی کے ساتھ انسان اہل دانش کے نزدیک تعریف و مذمت اور اللہ کریم کے نزدیک ثواب و سزا کا استحقاق رکھتا ہے۔"

یہ انسان ہی ہے جسے اللہ رب العزت نے عقلی و روحانی صلاحیت سے بھرپور انداز میں اختصاصی مقام عطا فرمایا ہے، انہی دو صلاحیتوں کی بدولت اسے شرعی احکام کا پابند بھی کیا گیا ہے اور ثواب و جزا کا سارا نظام بھی اس کے لئے انہی صلاحیتوں کی بنا پر ہی قائم کیا گیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں دیگر مخلوقات چونکہ ان دونوں صلاحیتوں سے بہرور نہیں ہیں لہذا جزا و سزا کا نظام ان سے متعلق نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ سنن الٰہیہ پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا اختیار چونکہ انسان کو حاصل ہے اس لیے ان کے پورا کرنے یا نہ کرنے پر ثواب و گناہ کا پورا نظام متعین کیا گیا ہے۔ چونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام تر مخلوق میں نمایاں مقام و مرتبہ سے نوازا ہے اور جن خصوصیات سے اس کے دامن کو بھرا گیا وہ کسی اور مخلوق کو عطا نہیں کی گئیں۔ بلند منصب کے تقاضے بھی بڑے بلند رکھے جاتے ہیں اس لیے حضرتِ انسان کے لئے اللہ تعالیٰ نے دیگر مخلوقات سے ہٹ کر کچھ قوانین مقرر فرمائے ہیں۔ انسان سے متعلق قوانین اور اس کائنات سے متعلق قوانین میں فرق اسی لیے سامنے آتا ہے۔ بحث ہذا میں ان قوانین کے مابین چار بنیادی فرق سامنے آتے ہیں۔

[61] جمال الدین افغانی، مفتی محمد عبدہ، **عروۃ الوثقی**، (مصر: موسوعۃ الھنداوی لتعلیم والثقافۃ، ۲۰۱۲ء)، ۱۷۲

پہلا فرق یہ انسان ان قوانین پر عمل در آمد کرنے میں آزاد ہے جبکہ باقی کائنات اس سلسلے میں آزاد نہیں۔ دوسرا یہ کہ انسان سے متعلق قانون میں انسان دونوں حیثیتوں، فرد اور معاشرے کے حوالے سے الگ قانون سازی سامنے آتی ہے جبکہ تکوینی قوانین میں ایسی کوئی تفریق نظر نہیں آتی۔ تیسرا یہ کہ انسان سے متعلق اللہ کے قوانین غیر متبدل و غیر متغیر ہیں جبکہ تکونین قوانین کے بارے میں ایسی مثالیں موجود ہیں جہاں اللہ رب العزت کی قدرت کاملہ، تبدیلی کی طرف کارفرما نظر آتی ہے۔ چوتھا یہ کہ انسان سے متعلق قوانین پر عمل کرنے یا نہ کرنے کی جزا و سزا کا تعین بھی کیا گیا ہے جبکہ تکوینی قوانین میں ایسے کوئی نتائج بیان نہیں کیے گیے یہ اس لیے کہ انسان کو عقل و دانش کی دولت عطا فرما کر اختیار کی آزادی دی گئی ہے جبکہ دیگر کائنات کو ارادہ و اختیار کی ایسی آزادی سے بہرمند نہیں کیا گیا۔